بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدینۃ المسیح

قادیان یکم ماہ شہادت۔ سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے متعلق آج پونے گیارہ بجے دن کی ڈاکٹری رپورٹ مظہر ہے۔ کہ حضور کی طبیعت خدا تعالیٰ کے فضل سے نسبتاً اچھی ہے۔ کل کچھ حرارت ہو گئی تھی احباب حضور کی صحت کاملہ کے لئے دعا فرمائیں۔

حضرت اُم المومنین مدظلہا العالی کی طبیعت خدا تعالےٰ کے فضل سے اچھی ہے۔ الحمد للہ

سیدہ ام ناصر احمد صاحبہ کو ابھی کچھ حرارت اور کھانسی کی شکایت ہے۔ احباب سیدہ موصوفہ کی کامل صحت کے لئے دعا فرمائیں —— سیدہ امۃ السلام بیگم صاحبہ کی صحت آہستہ آہستہ اچھی ہو رہی ہے۔ احباب دعا جاری رکھیں —— مکرم میاں عبدالرحیم احمد صاحب کو کان کے درد میں کمی ہے کامل صحت کیلئے دعا فرمائیں۔

جلد ۳۲ | ۲ ماہ شہادت ۱۳۲۳ ہش | ۸ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ | ۲ اپریل ۱۹۴۴ء | نمبر ۷۷

روزنامہ الفضل قادیان —— ۸ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

ہماری بہن سیدہ اُمّ طاہر احمد رضی اللہ عنہا

از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات اور اس پر حضرت مسیح موعود کے قلبی جذبات

آج سے ۳۶ سال قبل جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسر چہارم اور ہمارا سب سے چھوٹا بھائی مبارک احمد (ناکح ہی مبارک احمد جس کی زوجیت کے لئے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابتداءً ہماری مرحومہ بھاوج سیدہ اُم طاہر احمد کو منتخب فرمایا) ستمبر ۱۹۰۷ء میں فوت ہوا۔ تو اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے قلبی جذبات کا ان مبارک اشعار میں اظہار فرمایا تھا:-

جگر کا ٹکڑہ مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا
وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
برس تھے آٹھ اور کچھ مہینے کہ جب خدا نے اُسے بُلایا
بلانیوالا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

ان مختصر اشعار میں جن دو متوازی جذبات کا اظہار کیا گیا ہے وہ ایک سچے مومن کی فطرت کا صحیح آئینہ ہیں۔ جو اگر ایک طرف طبعی قانون کے ماتحت ایک عزیز وجود کی جدائی پر انتہائی رنج و غم محسوس کرتا ہے۔ تو دوسری طرف خدا کا عزیز تر وجود بھی ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے رہکر اُسے یاد دلاتا رہتا ہے۔ کہ تمام محبتوں کی سرچشمہ اور تمام رشتوں کی سرتاج اور ازلی ابدی زندگی کی واحد مالک صرف خدا کی ذات ہے۔ پس اگر یہ رحیم و کریم ذات کسی وقت ہمارے کسی عزیز کو اپنے پاس بلانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ تو ایک سچے مومن کی زبان پر اس کے سوا کوئی اور فقرہ نہیں آسکتا کہ:-

بلانیوالا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

یہ وہی تسکین دہ سبق ہے جو قرآنی آیت انا للہ وانا الیہ راجعون میں سکھایا گیا ہے۔ یعنی ہم سب خدا کی امانت ہیں اور ہم سب نے آگے پیچھے اسی کے پاس جمع ہونا ہے۔

راحت بخش آسمانی مرہم

اور پھر یہی وہ راحت بخش مرہم کا پھایہ ہے جو ہمارے آسمانی آقا نے زمین والوں کے دُکھتے ہوئے دلوں کے لئے ان پیارے الفاظ میں پیش کیا ہے کہ:-

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

یعنی اے مومنو تمہیں دنیا میں مختلف قسم کے رنج و غم پیش آسکتے ہیں۔ جو بعض اوقات اس شدت کے ساتھ آتے ہیں۔ کہ تمہاری ہستی کو اس کی بنیادوں سے ہلا دیتے ہیں۔ مگر تم ایسے اوقات میں بھی گھبرانا نہیں۔ اور اپنے خدا کو بھول نہ جانا۔ بلکہ اسے اور بھی زیادہ یاد رکھنا۔ کیونکہ رنج کی تاریک گھڑیوں میں اسی کی پیاری یاد تمہارے دل کے لئے حقیقی تسکین کا باعث ہو سکتی ہے۔ واقعی اگر جیسا کہ ہم دعوےٰ کرتے ہیں۔ ہمارا خدا سچ مچ سب پیاروں سے زیادہ پیارا اور سب سہاروں سے بڑا سہارا ہے۔ اور اگر جیسا کہ ہمارا ایمان ہے۔ وہ حقیقۃً سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحیم اور حیّ و قیوم قادر مطلق خدا ہے۔ تو پھر اس میں کیا شک ہے۔ کہ تکلیف و اضطراب کے وقتوں میں صرف اسی کا ذکر اور اسی کا تعلق ہی انسان کے لئے طمانیت قلب کا ذریعہ بن سکتا ہے اسی لئے میں نے اپنے اس مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان سکینت بخش الفاظ سے شروع کیا ہے کہ:-

بلانیوالا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

ایک اور ناگہانی حادثہ

(میں اس قدر مضمون لکھ چکا تھا۔ کہ اچانک ہمارے چھوٹے ماموں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی وفات کا ناگہانی حادثہ پیش آگیا۔ جس کے نتیجہ میں یہ مضمون کئی دن تک رُکا رہا۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم کی زندگی اور وفات کو کئی لحاظ سے ہماری مرحومہ بہن سیدہ اُم طاہر احمد صاحبہ کی زندگی اور وفات کے ساتھ مشابہت و مماثلت حاصل ہے جسے میں اپنے اس مضمون میں جو میں انشاء اللہ عنقریب حضرت میر صاحب مرحوم کے متعلق لکھوں گا بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال میں ایک بیحد زخمی مگر اپنے خدا کی طرف سے مرہم یافتہ دل کے ساتھ اپنے موجودہ مضمون کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ العظیم)

سیدہ ام طاہر احمد پیدائشی احمدی تھیں ہمشیرہ سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ جو حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب مرحوم کی سب سے چھوٹی لڑکی تھیں۔ غالباً ۱۹۰۵ء کے شروع میں پیدا ہوئی تھیں۔ اور چونکہ ان کی پیدائش سے تین چار سال قبل حضرت شاہ صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں منسلک ہو چکے تھے۔ اس لئے ہمشیرہ مرحومہ گویا پیدائشی احمدی تھیں۔ یعنی انہوں نے اس دنیا میں اپنی زندگی کا پہلا سانس احمدیت ہی کی مبارک فضا میں لیا تھا۔ اور گو وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنی ایک بڑی بہن (والدہ صاحبہ سید بشیر شاہ) کا دودھ بھی پیا ہوا تھا۔ اور خدا کے فضل سے اس وقت تک ان کے سب بہن بھائی زندہ موجود ہیں۔ مگر یہ ایک عجیب کرشمۂ قدرت ہے۔ کہ عمر میں سب سے چھوٹی ہونیکے باوجود وہ اپنے رب کو سب سے پہلے پیاری ہوئیں۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح ہمارے چھوٹے ماموں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب ہمارے نانا جان مرحوم کے سب سے چھوٹے بچہ ہونے کے باوجود سب سے پہلے خدا کے حضور حاضر ہوئے۔

"بہشتی ٹبّر"

حضرت سید عبدالستار شاہ صاحب مرحوم اور ان کی زوجہ محترمہ (اللہ تعالےٰ اُن پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے) ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے مگر چونکہ وہ اپنی ملازمت کے تعلق میں ایک بہت لمبا عرصہ رعیہ ضلع سیالکوٹ میں رہے تھے۔ اس لئے رعیہ گویا ان کا وطن ثانی بن گیا تھا۔ اور ان کی یاد میں ہمیشہ محبوب رہتا تھا اور مجھے یاد ہے۔

ایڈیٹر:- غلام نبی
بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپایا اور قادیان سے شائع کیا۔

ہمشیرہ سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ مرحومہ بھی کئی دفعہ محبت کے ساتھ رعیہ کا ذکر کیا کرتی تھیں۔ اور اس علاقہ کے اصحاب بھی حضرت شاہ صاحب مرحوم اور ان کے خاندان کو نہائت درجہ محبت اور احترام کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں۔ اور اب تک ان کے زمانہ کی یاد ان کے دلوں کو محبت کے غیر معمول جذبات سے گرما دیتی ہے۔ جیسا کہ جاننے والے دوست جانتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب مرحوم اور ان کی زوجہ محترمہ نہائت درجہ نیک اور پاک نفس بزرگ تھے۔ حتیٰ کہ ایک روائت کے مطابق خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ ان کے اور ان کے خاندان کے متعلق "بہشتی کنبہ" کے الفاظ فرمائے تھے۔ اور سیدہ ام طاہر احمد مرحومہ بھی ہمیشہ اپنے مرحوم والدین کو انتہائی رقت اور محبت کے ساتھ یاد کیا کرتی تھیں۔ اور ان کی درد بھری دعاؤں سے محروم ہو جانے کا از حد قلق رکھتی تھیں ابھی چند مہینہ کی بات ہے۔ کہ ہمشیرہ مرحومہ کو کسی معاملہ میں ایک پریشانی لاحق ہوئی۔ تو انہوں نے مجھے بھی دعا کے لئے کہا۔ اور ساتھ ہی یہ ذکر کرکے بے اختیار رو پڑیں کہ بڑے شاہ صاحب میرے لئے بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔

سیدہ اُم طاہر احمد کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت

۱۹۰۷ء کے وسط میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا آخری زمانہ تھا۔ ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد مرحوم بیمار ہوا۔ گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے متعلق اشارۃً معلوم ہو چکا تھا۔ کہ وہ غالباً بچپن میں ہی وفات پا جائے گا۔ مگر چونکہ مستقبل کا آخری علم صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ آپ نے اس بیماری میں اس کے علاج میں انتہائی جدوجہد سے کام لیا۔ اور بیماری کے ایام میں ہی نیک فال کے طور پر اس کی شادی کی بھی تجویز فرما دی۔ حالانکہ اس وقت اس کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی۔ اس شادی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہماری مرحومہ بہن سیدہ مریم بیگم نور اللہ مرقدہا کو منتخب فرمایا۔ اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے ہی ہمارے خاندان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے پیوند ہو گئیں۔

اس وقت ان کی عمر غالباً دو اڑھائی سال کی ہوگی کیونکہ مجھے یاد ہے۔ کہ مبارک کی شادی کے ایام میں ہم انہیں اکثر اپنی گود میں اٹھائے پھرتے تھے۔ جب مبارک احمد بقضائے الٰہی فوت ہو گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت ام المومنین متعنا اللہ بطول حیاتہا کو وصیت فرمائی۔ کہ یہ لڑکی اب ہمارے نام کی ہو چکی ہے۔ اب اسے کسی دوسری جگہ نہ جانے دینا۔ بلکہ ہمارے تین لڑکوں میں سے ہی کوئی لڑکا اس کے ساتھ شادی کرلے۔ چنانچہ آپ کی اس وصیت کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کو اوائل ۱۹۲۱ء میں توفیق عطا فرمائی۔ کہ آپ نے انہیں اپنے ساتھ عقد زوجیت میں منسلک کر لیا۔ اور اس طرح ہماری یہ بہن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دہری بہو بن گئیں۔

سیدہ مرحومہ کا ایک خاص امتیاز اور اس کا خاص نتیجہ

یہ امتیاز ایسا ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہوؤں میں سے کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ میں سیدہ مرحومہ کو انکا یہ امتیاز اکثر یاد کرایا کرتا تھا۔ اور وہ اسے سنکر بہت خوش ہوتی تھیں اور کئی دفعہ کہا کرتی تھیں۔ کہ دعا کریں۔ کہ آخرت میں بھی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاک وجود اور آپ کے خاندان کا حصہ بنکر رہوں سو خدا نے ان کی اس خواہش کو پورا فرمایا۔ اور وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ اور جماعت کی ہزاروں درد بھری دعاؤں کے ساتھ یہاں ایسی دعائیں جن کی نظیر پہلے بہت کم ملتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہائت قریب خاندان کی مخصوص قبروں میں جگہ پاکر اپنی آخری نیند سو رہی ہیں۔ ہم کیوں نہ یہ یقین رکھیں کہ یہ ظاہری قرب اس روحانی قرب کی ایک علامت ہے۔ جو مرحومہ کو عالم اخروی میں اپنے روحانی اور جسمانی باپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اپنے جسمانی اور روحانی نانا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوا ہے۔ اور ہو رہا ہے

ایک گہری فطری صداقت اور بے حساب بخشش پانے کی آرزو

مرحومہ کو خالق فطرت کی طرف سے بے حد جذباتی دل عطا ہوا تھا۔ اور میرا یہ یقین بلکہ تجربہ ہے کہ ایک نیک انسان کے جذبات کا خدا بھی احترام کرتا ہے۔ اور یہی اس حدیث قدسی میں اشارہ ہے کہ انا عند ظن عبدی بی یعنی خدا فرماتا ہے کہ میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتا ہوں۔ جیسا کہ وہ مجھ سے توقع رکھتے ہیں۔ یہ ارشاد باری کسی منتر جنتر کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ ایک گہری فطری صداقت پر مبنی ہے۔ کیونکہ نیک جذبات کا پیدا ہونا اور نیک ظنی کا قائم ہونا سوائے قلبی طہارت کے کسی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور قلبی طہارت ہی فلاح کا پہلا زینہ ہے۔ اسی ضمن میں مجھے یاد آیا۔ کہ ایک دفعہ میں نے ہمشیرہ مرحومہ کے ساتھ یہ ذکر کیا۔ کہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار لوگوں کو بے حساب بخشش عطا فرمائے گا۔ یعنی ستر ہزار ایسے لوگ ہوں گے۔ جو اپنے مخصوص روحانی قرب کی وجہ سے بغیر حساب کے بخشش حاصل کرینگے۔ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ جب میں نے مرحومہ کو یہ حدیث سنائی۔ اور اسکے ساتھ تعلق رکھنے والی بعض اور باتیں بھی سنائیں تو جیسا کہ مرحومہ کی عادت تھی کہ ہر نیک تحریک کو گویا لپک کر لیتی تھیں۔ وہ نہائت اصرار اور تکرار کے ساتھ کہنے لگیں۔ کہ میرے لئے بھی دعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس پاک گروہ میں شامل کرے۔ چنانچہ مجھے اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ کہ میں اپنی اکثر دعاؤں میں ان کی اس نیک خواہش کو یاد رکھتا رہا ہوں۔ اور ان کی وفات کے بعد تو کسی دعا میں بھی اسے نہیں بھولا۔ اور مجھے خدا کے فضل اور رحم پر یقین ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس نیک خواہش کو بھی ضرور پورا فرمائے گا ذالک ظنی باللہ وارجو منہ خیراً۔ اور اگر میری روحانی آنکھ غلطی نہیں کرتی۔ تو مجھے ہمیشہ مرحومہ کی زندگی اور موت دونوں میں اسکے قرائن بھی نظر آرہے ہیں واللہ اعلم ولا علم لنا الا ما علمنا اللہ

دینی اور جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا

ہمشیرہ سیدہ ام طاہر احمد بہت سی غیر معمولی خوبیوں کی مالک تھیں۔ مگر اس مختصر مضمون میں اس بات کی گنجائش نہیں۔ کہ ان کے اوصاف پر کوئی مکمل تبصرہ کیا جائے۔ اس لئے اذکروا موتاکم بالخیر کے ارشاد کے ماتحت صرف چند خوبیوں کے ذکر پر ہی اس جگہ اکتفا کرتا ہوں۔ مرحومہ کا نہائت نمایاں وصف دینی اور جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا تھا۔ ان کا یہ وصف اس قدر ممتاز تھا۔ کہ عورتوں میں تو خیر ان کی جو پوزیشن تھی۔ وہ تھی ہی ان کا نمونہ اکثر مجاہد مردوں کے لئے بھی قابل رشک تھا۔ صحت کی خرابی کے باوجود یوں نظر آتا تھا۔ کہ گویا ان کی روح جماعتی کاموں میں حصہ لینے کے لئے ہر وقت ایک چوکس سپاہی کی طرح ایستادہ اور چشم براہ رہتی ہے۔ میں اپنے خاندان کی مستورات سے اکثر ذکر کیا کرتا تھا۔ کہ اس میدان میں سیدہ ام طاہر احمد دوسروں سے اس قدر آگے اور ممتاز ہیں۔ کہ گویا وہی سارے کام پر چھائی ہوئی ہیں۔ اور میں بسا اوقات تحریک کیا کرتا تھا۔ کہ دوسروں کو بھی جماعتی کاموں میں آگے آنا چاہیئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح یا جماعت کی طرف سے جو تحریک بھی ہوتی تھی۔ سیدہ موصوفہ نہائت جوش اور اخلاص کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرتی تھیں۔ اور پھر اپنے ذاتی اثر اور دن رات کی جدوجہد کے ساتھ اس کے متعلق مستورات میں ایک غیر معمولی حرکت پیدا کر دیتی تھیں۔

غیر معمولی شخصیت

اللہ تعالیٰ نے انہیں شخصیت بھی ایسی عطا کی تھی۔ کہ ان کے ساتھ کام کرنے والی کارکنات ان کی قیادت کو ہمیشہ محبت اور شوق کے ساتھ قبول کرتی تھیں۔ سیدہ ام خلیل امۃ الحی صاحبہ مرحومہ کی وفات کے بعد سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ مرکزی لجنہ اماء اللہ قادیان کی سیکرٹری مقرر ہوئیں۔ اور اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے تک جبکہ وہ ہماری ایک دوسری محترم بہن کی علالت کی وجہ سے انکی جگہ صدر مقرر ہو گئی تھیں وہ برابر اس عہدہ پر قائم رہیں۔ مگر ایک عجیب بات ہے۔ کہ (میری دوسری بہنیں مجھے معاف فرمائیں۔ کہ ان کی بہت سی خوبیوں کے باوجود مجھے اس جگہ یہ ریمارک کرنا پڑا ہے) جب تک ہمشیرہ سیدہ ام طاہر سیکرٹری رہیں سیکرٹری کا عہدہ ہی سب کچھ تھا۔ اور صدر کا عہدہ قریباً برائے نام تھا۔ لیکن جب سیدہ موصوفہ صدر مقرر ہوئیں۔ اور انکی جگہ ہماری ایک اور بہن سیکرٹری مقرر ہوئیں۔ تو اس کے بعد صدر کا عہدہ ہی سب کچھ ہو گیا۔ اور سیکرٹری کا عہدہ قریباً برائے نام رہ گیا۔ ممکن ہے یہ خیال کیا جائے کہ سیدہ مرحومہ اسطرح کام پر چھا جاتی تھیں کہ دوسروں کے لئے بہت کم گنجائش باقی رہتی تھی

مگر میں کہتا ہوں۔ کہ کیا قرآن شریف نے اسلام کی خدمت کو ایک دوڑ کے ساتھ تشبیہ نہیں دی؟ اور ظاہر ہے۔ کہ جو شخص دوڑ میں آگے نکلے گا۔ وہ بعض حالات میں کسی حد تک دوسروں کا رستہ بھی روکے گا۔ لیکن اسی وجہ سے آگے نکل جانے والا قابل ملامت نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور نہ پیچھے رہنے والا معذور خیال کیا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ ذکر اس لئے بھی کیا ہے۔ کہ اب بھی وقت ہے۔ کہ ہمارے خاندان کی دوسری مستورات جو خدا کے فضل سے ذاتی طور پر دینی جذبات سے معمور ہیں۔ جماعتی کاموں میں زیادہ حصہ لینے کی کوشش کریں۔ اور مرحومہ کی روایات کو نہ صرف زندہ رکھیں۔ بلکہ اور بھی ترقی دے کر ایک اعلےٰ نمونہ اپنے پیچھے چھوڑیں۔

جلسہ سالانہ اور مشاورت کے موقعوں پر سیدہ مرحومہ کی خدمات

جماعتی کاموں میں سے ایک خاص کام جلسہ سالانہ اور مجلس مشاورت کے موقعوں پر مستورات کے جلسوں کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ مرحومہ جب تک زندہ رہیں۔ گویا اس سارے انتظام کی جان اور روح و رواں تھیں۔ ان کی یہ عادت تھی۔ کہ کام کے ہر حصہ کی طرف ذاتی توجہ دیتی تھیں۔ اور ان موقعوں پر دن رات ایک کر دیتی تھیں اور ان میں یہ ملکہ تھا۔ کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی پورے شوق اور انہماک کے ساتھ لگائے رکھتی تھیں۔ مرحومہ کی زندگی میں صرف گزشتہ جلسہ سالانہ ہی ایسا جلسہ آیا تھا۔ جبکہ وہ لاہور میں شدید بیمار ہونے کی وجہ سے جلسہ میں شرکت نہیں کر سکیں۔ مگر یہ جدائی جہاں خود ان کے لئے بے حد شاق تھی۔ وہاں ان کے ساتھ کام کرنے والیوں کے لئے بھی انتہائی درد و الم کا منظر پیش کرنے والی تھی۔ اور میں نے بہت سی عورتوں کو ان کی غیر حاضری کے متعلق آنسوؤں اور آہوں کے ساتھ ذکر کرتے سنا ہے۔ جلسہ کے بعد جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے ان کی بیماری کی وجہ سے جلدی لاہور واپس جانے کا ارادہ کیا۔ تو مرحومہ نے حضور کی خدمت میں خاص پیغام بھجوایا۔ کہ چونکہ جلسہ کا کام ایک خاص دینی کام ہے۔ آپ میری وجہ سے واپسی میں جلدی نہ کریں۔ بلکہ تسلی اور اطمینان کے ساتھ سارے کام سے فارغ ہو کر واپس آئیں۔ اسی طرح مکرمی سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے مضمون میں احباب پڑھ چکے ہیں۔ کہ جب شاہ صاحب موصوف کو جو مرحومہ کے بڑے بھائی ہیں مرحومہ کی بیماری کی وجہ سے جلسہ کے موقعہ پر قادیان واپس آنے میں تامل ہوا۔ تو ہمشیرہ مرحومہ نے انہیں یہ کہتے ہوئے اصرار کے ساتھ واپس بھجوایا۔ کہ میں تو بوجہ بیماری جلسہ کی شرکت سے محروم رہی۔ آپ اس خدمت اور اس نعمت سے کیوں محروم ہوتے ہیں۔

مالی قربانی میں ممتاز حیثیت

مالی قربانی میں بھی سیدہ موصوفہ کو خدا تعالےٰ نے ممتاز حیثیت عطا کی تھی۔ اور میں جب ان کے چندوں کو دیکھتا تھا۔ تو حیران ہوتا تھا۔ کہ یہ اس قلیل آمد پر اتنے بھاری چندے کس طرح ادا کرتی ہیں۔ جو دوست ہمارے گھروں کے حالات سے واقف ہیں انہیں معلوم ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی طرف سے جو ماہوار خرچ حضور کے گھروں میں ملتا ہے۔ وہ بہت ہی نپا تلا ہوتا ہے۔ مگر باوجود اس کے سیدہ موصوفہ نہ معلوم کس طرح اپنے گھر کے اخراجات سے رقمیں کاٹ کر سلسلہ کے چندوں میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ اور پھر یہی نہیں کہ صرف چندہ عام یا چندہ تحریک جدید میں حصہ لے لیا۔ اور باقی کو نظر انداز کر دیا بلکہ چندہ کی ہر تحریک میں پیش پیش رہتی تھیں حتیٰ کہ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ کہ تحریک جدید کی امانت ذاتی کے شعبہ میں بھی انہوں نے محض شرکت ثواب کی خاطر حصہ لے رکھا تھا۔ اور اسی طرح پرائیویٹ چندوں میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتی تھیں یہ اسی کا نتیجہ تھا۔ کہ سوائے حضرت خلیفۃ المسیح والی باری کے دن کے جب کہ وہ کچھ تو حضور کے آرام کے خیال سے اور کچھ اس احساس کے ماتحت کہ حضور کو ان کی گھر کی تنگی کا علم نہ ہو کسی قدر اچھا کھانا پکوا لیتی تھیں۔ عموماً گھر کا کھانا پینا نہایت درجہ سادہ بلکہ غریبانہ ہوتا تھا۔ بایں ہمہ ہمشیرہ مرحومہ بے حد مہمان نواز تھیں۔ اور مہمانوں کے آرام کی خاطر سب کچھ خرچ کر ڈالنے میں دریغ نہیں تھا۔ اور مہمانوں کی خدمت میں حقیقی خوشی پاتی تھیں۔ مرحومہ موصیہ تو شروع سے ہی تھیں۔ مگر یہ بات غالباً اکثر لوگوں کو معلوم نہیں ہوگی۔ کہ کئی سال سے مرحومہ نے اپنے حصہ وصیت کو ۱/۱۰ سے بڑھا کر ۱/۳ کر دیا تھا۔ اور دوست جانتے ہیں۔ کہ ۱/۳ وہ انتہائی حد ہے۔ جس سے اوپر اسلام نے کوئی وصیت جائز نہیں رکھی۔

الغرض ہمشیرہ مرحومہ کا سب سے نمایاں وصف دینی اور جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا تھا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ مرحومہ کی روح نے اس نکتہ کو اپنا حرز جان بنا رکھا ہے۔ کہ فضل اللہ المجاھدین علی القاعدین درجۃ۔ یعنی خدا کے نزدیک دین کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑی فضیلت حاصل ہے۔ ویسے بھی کسی امر میں قاعد بنکر رہنا مرحومہ کی فطرت کے بالکل خلاف تھا۔ ان کی روح ہر وقت حرکت میں رہنا چاہتی تھی۔ اور اس میں کیا رشک ہے کہ حرکت میں ہی برکت ہے۔ بہر حال جماعتی خدمات میں ہمشیرہ مرحومہ کا مقام بہت بلند تھا۔ اور اس جہت سے ان کا نیک نمونہ یقیناً ہم میں سے بہتوں کے لئے ایک مفید مشعل راہ کا کام دے سکتا ہے۔

نظام جماعت سے دلی اخلاص اور جماعتی کاموں میں محبانہ شرکت کا نتیجہ

اس جگہ میں ایک ضمنی بات بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے ذوق کے مطابق بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے والوں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے۔ اور خصوصاً ان لوگوں کے حالات کو زیادہ غور سے دیکھا ہے۔ جو باوجود موصی ہونے کے مقبرہ بہشتی میں جگہ حاصل کر لیتے ہیں یا باوجود موصی ہونے کے وہاں دفن ہونے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور اس مطالعہ کے نتیجہ میں مجھے اللہ تعالےٰ نے یہی علم عطا کیا ہے۔ کہ خدا کے نزدیک جو وزن نظام جماعت کے ساتھ دلی اخلاص رکھنے اور اس نظام کا پرزہ بنکر رہنے اور جماعتی کاموں میں شوق اور محبت اور قربانی کی روح کے ساتھ حصہ لینے کو حاصل ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی ان نیکیوں کو حاصل نہیں جو محض ایک انسان کی ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ وہاں بھی اسی ازلی نکتہ کا اظہار مقصود ہے۔ کہ پاک نیت اور سچے دل کے ساتھ الٰہی نظام کو قبول کر لو۔ اور اس کا حصہ بن جاؤ۔ پھر تمہارے لئے جنت کا رستہ صاف ہے۔ خواہ تم میں کوئی عملی کمزوری ہی موجود ہو۔ کیونکہ ایسی کمزوری کو خدائے رحیم و کریم کا یہ زبردست قانون کہ ان الحسنات یذھبن السیئات خس و خاشاک کی طرح اڑا کر پھینک دیتا ہے۔ مقبرہ بہشتی کے حالات میں میں نے دیکھا ہے۔ اور بارہا دیکھا ہے۔ اور اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو میں اس کی مثالیں بھی پیش کر دیتا۔ کہ جو شخص اس زمانہ کے الٰہی نظام کو سچے دل سے قبول کر کے اس کا حقیقی پرزہ بن جاتا ہے۔ اور اسے کامیاب بنانے میں کوشاں رہتا ہے۔ تو باوجود اس کی بعض کمزوریوں کے اللہ تعالےٰ اس پر موت نہیں آنے دیتا۔ جب تک کہ اس کے لئے ایسے سامان نہ پیدا کر دے۔ جو اس کے لئے جنت کا رستہ صاف کر دیں۔ اللہ اللہ ہمارا خدا بھی کیسا عجیب و غریب خدا ہے۔ جو اپنے ظاہری قانون کو بھی پورا کر لیتا ہے۔ اور اپنی زبردست مشیت کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ اور بہر حال کرتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیا خوب فرماتے ہیں

تیرے۔ اے میرے مربی۔ کیا عجائب کام ہیں
گرچہ بھاگیں جبر سے دیتا ہے قسمت کے ثمار

مگر یہ جبر ظلم و تعدی کا جبر نہیں۔ بلکہ شفقت و رحمت کا جبر ہے۔ کیونکہ جس طرح ایک محبت کرنیوالا باپ اپنے بیٹے پر انعام کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ اسی طرح ہمارا آسمانی باپ بھی جب اپنے کسی بندہ پر انعام کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنے کسی قانون کو اس انعام کے رستہ میں بظاہر روک پاتا ہے۔ تو اپنی گوناگوں مشیت کے بہانے تلاش کر کے اس کے لئے انعام کے نئے دروازے کھول دیتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ وہ اپنے قانون کا غلام نہیں بلکہ اپنے حکم پر بھی غالب اور حاکم ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے۔ کہ بندہ اس کا باغی نہ ہو۔ بلکہ ایک پیار کرنیوالے بچہ کی طرح اس کے دامن کے ساتھ چمٹا رہے

انتظامی قابلیت اور چند دلچسپ گھریلو واقعات

میں ایک ضمنی بحث میں پڑ کر اپنے اصل مضمون کو چھوڑ گیا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مرحومہ بہن سیدہ اُم طاہر احمد میں بہت سی خوبیاں ودیعت کی ہوئی تھیں اور ان خوبیوں میں غالباً سب سے نمایاں اور سب سے ممتاز خوبی جماعتی کاموں میں حصہ لینا تھی۔ اسکے علاوہ مرحومہ اپنی انتظامی قابلیت میں بھی بہت نمایاں تھیں۔ اور انکی یہ قابلیت جماعتی کاموں اور خانگی امور ہر دو میں یکساں ظاہر ہوتی تھی۔ یہ اسی وصف کا نتیجہ تھا۔ کہ ہر موقعہ پر اور ہر مجلس میں وہ گویا طبعی طور پر آگے آ جاتی تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بھی عموماً خاص موقعوں کے انتظامات انہی کے سپرد فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً گھر کی خاص دعوتوں کا انتظام انہی کے سپرد ہوتا تھا۔ یا کوئی خاص مہمان آجاتا۔ تو اس کی مہمانی کا انتظام بھی زیادہ تر ان کے سپرد کیا جاتا تھا۔ یا اگر کسی سفر کی تیاری کرنی ہوتی تھی۔ تو ایسی تیاری کی انچارج بھی بالعموم وہی ہوا کرتی تھیں اسی طرح سفروں کے درمیان میں ٹرپ یعنی تفریحی سیروں کا انتظام بھی عام طور پر وہی کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس وقت مجھے گذشتہ سفر ڈلہوزی کا ایک چھوٹا سا گھریلو واقعہ یاد آگیا ہے۔ جو اس جگہ مختصراً درج کرتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ چونکہ گذشتہ سال ایک لمبی بیماری سے اٹھے تھے۔ اس لئے قیام ڈلہوزی کے آخری ایام میں حضور نے صحت کے خیال سے بعض تفریحی سیروں کا انتظام فرمایا تھا۔ ان سیروں میں سے آخری سیر کالا ٹوپ پہاڑ تک کی گئی تھی جو ڈلہوزی سے قریباً چھ سات میل جنوب کی جانب واقع ہے۔ اس ٹرپ میں یہ خاکسار بھی ساتھ تھا۔ مستورات کے لئے عموماً گھوڑوں کا انتظام تھا۔ اور مرد پیدل تھے۔ اور ٹرپ کا اہتمام بدستور سیدہ ام طاہر احمد کے ہاتھ میں تھا۔ چونکہ سیدہ موصوفہ نے انتظام وغیرہ کی وجہ سے سب سے آخر میں آنا تھا۔ اس لئے میں نے دیکھا کہ جب ہم اپنے گھروں سے قریباً ایک میل نکل آئے۔ تو سیدہ مرحومہ والے گھوڑے پر انکی بجائے ہماری بڑی ممانی آرہی ہیں۔ مجھے حیرانی ہوئی۔ کہ یہ کیا بات ہے۔ اور میں نے اس کا ذکر حضرت امیرالمومنین سے بھی کیا۔ اس پر میں نے دیکھا۔ کہ حضور کے چہرہ پر کسی قدر فکر اور اس کے ساتھ ہی رنج کے آثار ظاہر ہوئے۔ فکر اس لئے کہ سیدہ اُم طاہر کی عدم موجودگی میں کہیں انتظام میں کوئی دقت نہ ہو۔ اور رنج اس لئے کہ ٹرپ کو رونق دینے والی رفیقۂ حیات پیچھے رہ گئیں۔ مگر حضور نے زبان سے صرف اس قدر فرمایا۔ کہ سارا انتظام ام طاہر نے ہی کیا ہوا ہے۔ اور انہیں ہی معلوم ہے۔ کہ کون سی چیز کہاں ہے اور کون سی کہاں۔ کسی اور کو تو کچھ خبر نہیں۔ میں نے اشارہ سمجھ کر جلدی سے ایک شخص کو آگے بھگایا۔ کہ ڈاکخانہ کے چوک کے پاس جاکر کوئی اور گھوڑا تلاش کرو۔ اور اگر مل جائے۔ تو فوراً لیکر واپس آجاؤ۔ اور سیدہ ام طاہر کو لے آؤ۔ اور خدا کا شکر ہے۔ کہ گھوڑا فوراً مل گیا مگر ابھی یہ گھوڑا واپس جا ہی رہا تھا۔ کہ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ وہ ایک خادم کو ساتھ لے کر پیدل ہی چلی آرہی ہیں۔ حالانکہ پیدل چلنے سے انہیں سخت تکلیف ہوجایا کرتی تھی۔ اس وقت میں نے یوں محسوس کیا۔ کہ انہیں دیکھ کر گویا حضرت صاحب کا فکر اور رنج سب دور ہو گیا۔ اور ہم خوشی خوشی آگے روانہ ہو گئے۔ ان کے پیچھے رہ جانے کی وجہ یہ معلوم ہوئی۔ کہ جب وہ گھوڑے پر چڑھ کر روانہ ہو رہی تھیں۔ تو حضرت ام المومنین اطال اللہ ظلہا نے انہیں دیکھکر فرمایا۔ کہ شوکت (ہماری بڑی ممانی صاحبہ) نے ضرور جانا ہے۔ ان کے لئے انتظام کر دو۔ سیدہ موصوفہ جنہیں حضرت اماں جان سے انتہائی محبت اور اخلاص تھا۔ فوراً اپنے گھوڑے سے اتر آئیں۔ اور ممانی جان کو اپنا گھوڑا دے کر روانہ کر دیا۔ اور آپ پیدل چل پڑیں۔ ڈلہوزی کے ایام کا ہی ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ گذشتہ رمضان کا مہینہ ڈلہوزی میں ہی آیا تھا۔ اور چونکہ حضرت صاحب کے ساتھ قافلہ بڑا تھا۔ اس لئے سحری وغیرہ کے لئے خاص انتظام کی ضرورت تھی۔ سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ باوجود اس کے کہ ایک لمبی بیماری کاٹ کر ابھی ابھی بستر سے اٹھی تھیں حسب عادت پورے شوق اور انہماک کے ساتھ اس انتظام میں مصروف ہوگئیں۔

اور مصروف بھی اس طرح ہوئیں۔ کہ نصف شب کو اُٹھ کر سب روزہ داروں کے لئے خود اپنے ہاتھ سے پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ پراٹھے پکاتی تھیں۔ اور باورچی کو دوسری خدمت کے لئے خالی کر دیا تھا۔ یہ پراٹھے صرف اپنے عزیزوں اور مہمانوں کے لئے ہی نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ نوکر اور خادم بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔ کیونکہ سیدہ مرحومہ رمضان کے مبارک مہینہ میں سب کی خدمت کا یکساں ثواب حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ میں نے سنا ہے کہ ان ایام میں وہ رات کو دو تین گھنٹہ سے زیادہ نہیں سو سکتی تھیں۔ اور چونکہ وہ ابھی ابھی ایک لمبی بیماری سے اٹھی تھیں۔ اور ڈلہوزی کے بعد بہت جلد اپنی آخری بیماری میں مبتلا ہوگئیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں۔ کہ ان کی مرض الموت میں ڈلہوزی کے ایام کی غیر معمولی محنت اور کوفت کا بھی ضرور دخل تھا۔ مگر یہ ساری محنت انہوں نے انتہائی محبت اور اخلاص کے ساتھ خود اپنے ذمہ لی تھی۔ اور بڑے اور چھوٹے اور آقا اور نوکر کا کوئی امتیاز نہیں رکھا تھا۔ ڈلہوزی میں جو بہشتی پانی بھرنے کے لئے قادیان سے گیا تھا۔ وہ چونکہ بہت مشقت کا کام کرتا تھا۔ اور کچھ بیمار بھی تھا۔ اس لئے وہ روزہ نہیں رکھتا تھا۔ مگر سیدہ مرحومہ کے ہاتھ سے پراٹھے تقسیم ہوتے دیکھ کر وہ سیدہ مرحومہ کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا۔ آپا جان سب کو پراٹھے ملتے ہیں مگر مجھے نہیں ملتا۔ سیدہ موصوفہ نے فرمایا۔ میں تو روزہ داروں کے لئے پکاتی ہوں۔ اور تم روزہ نہیں رکھتے۔ اگر تم روزہ رکھو تو تمہیں بھی بڑی خوشی سے پکا دیا کروں گی۔ اُس نے کہا۔ میں بھی روزہ رکھا کرونگا۔ سیدہ موصوفہ نے کہا۔ پھر میں تمہیں بھی ضرور دیا کروں گی۔ چنانچہ ہمشیرہ مرحومہ کی برکت سے یہ غریب بہشتی روزہ دار بھی بن گیا اور پراٹھے بھی کھانے لگا۔

غربا کی خدمت اور انکی امداد کا غیر معمولی جذبہ جیسا کہ اوپر کے واقعہ سے بھی ظاہر ہے۔ سیدہ ام طاہر مرحومہ میں غربا کی خدمت اور غربا کی امداد کا وصف بھی خاص طور پر پایا جاتا تھا۔ دراصل چونکہ ان کے دل کو خالق فطرت کی طرف سے جذبات کا غیر معمولی خمیر ملا تھا۔ اس لئے جب بھی وہ کسی غریب یا بیمار یا مصیبت زدہ کو تکلیف میں دیکھتی تھیں تو اُن کا دل بے چین ہونے لگتا تھا اور وہ فوراً اس کی امداد کے لئے تیار ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ اُن کے گھر میں غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ اور وہ مقدور بھر سب کی امداد کرتی تھیں۔ یعنی اگر کسی مصیبت زدہ کی خود مدد کر سکتی تھیں تو خود کر دیتی تھیں اور اگر کسی ناظر یا کسی اور شخص کو کچھ کہنا ہوتا تھا۔ تو اُسے کہلا بھیجتی تھیں۔ اور اگر حضرت صاحب تک معاملہ پہنچانا ضروری ہوتا تھا۔ تو حضور تک پہنچا دیتی تھیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جہاں حضور کی دوسری بیویاں حضور کی مصروفیت کا خیال کر کے یا اس اندیشے سے کہیں ہماری سفارش غلط نہ ہو۔ حضرت صاحب تک معاملات پہنچانے میں اکثر حجاب اور تامل کرتی تھیں۔ وہاں یہ خدا کی بندی جب کسی شخص کو واقعی قابل امداد خیال کرتی تھیں۔ تو بلا تامل حضور تک معاملہ پہنچا دیتی تھیں اور پھر اس کا پیچھا بھی کرتی تھیں بے شک وہ بعض اوقات غلطی سے محبت کی "جھاڑ" بھی کھا لیتی تھیں۔ مگر پھر بھی کسی موقعہ پر چوکتی نہیں تھیں۔ اور اپنا فرض برابر ادا کئے جاتی تھیں۔ اسی لئے غریب عورتیں بلکہ غریب مرد بھی انہیں اپنا سچا مربی خیال کرتے تھے۔ اور ہر تکلیف کے وقت ان کے دروازہ کی طرف دوڑتے تھے۔ اور وہ بھی سب کے ساتھ انتہائی محبت اور انتہائی شفقت کے ساتھ پیش آتی تھیں۔ سیدہ موصوفہ نے کئی یتیم بچوں اور بچیوں کو اپنے ساتھ رکھ کر اپنے گھر میں پالا۔ اور ہمیشہ اپنے بچوں کی طرح سلوک کیا۔ اور ان کے دُکھ کو اپنا دُکھ اور ان کی راحت کو اپنی راحت سمجھا۔ غریبوں کی دلداری کا اس رنگ میں بھی مرحومہ کو خاص خیال تھا۔ کہ ان کی خوشیوں میں اپنے عزیزوں کی طرح شریک ہوتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ جب سیدہ موصوفہ کسی سفر وغیرہ میں ہوتی تھیں۔ تو کئی لوگ اپنے عزیزوں کی شادی کو صرف اس غرض سے ملتوی کر دیتے تھے۔ کہ آپا جان واپس آئینگی۔ تو پھر ان کے سامنے شادی کرینگے۔ الغرض مرحومہ حقیقی معنوں میں غریبوں کی دوست اور یتیموں کی ماں تھیں۔ مجھے وہ واقعہ غالباً کبھی نہیں بھولیگا۔ کہ جب حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی وفات ہوئی۔ تو اُس دن میں نے دیکھا۔ کہ ایک غریب مہاجر بہشتی مقبرہ کی سڑک پر رو رہا تھا۔

اور جب میں اس کے پاس سے گذرا۔ اور اس کی طرف نظر اٹھائی۔ تو اس نے مجھے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ کہ آج غریب بالکل یتیم ہو گئے۔ پھر کہنے لگا کہ بارہ دن پہلے غریبوں کی ماں گذر گئی تھی۔ آج باپ بھی رخصت ہوا۔ اس کا اشارہ سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کیطرف تھا میں نے دل میں کہا۔ کہ گو اصل یتیم اور غیر یتیم تو خدا تعالےٰ کے ساتھ تعلق رکھنے یا نہ رکھنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اور جس کا خدا زندہ ہے اور اس کا اس سے تعلق ہے وہ کبھی بھی یتیم نہیں ہو سکتا مگر اس غریب مہاجر کا کہنا بھی اپنے رنگ میں درست ہے، کہ ان دو اوپر تلے کی موتوں نے قادیان کے غریبوں کے دو بڑے اور ظاہری سہارے ان سے چھین لئے ہیں۔ اور میں نے دعا کی۔ کہ خدا تعالےٰ انہیں اپنے فضل سے نعم البدل عطا کرے۔ تاکہ ان دکھے ہوئے دلوں کی تسکین اور راحت کا سامان پیدا ہو۔ آمین یا ارحم الراحمین

خدا اور اسکے رسول کی محبت

جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہمشیرہ مرحومہ میں خدا اور اس کے رسول کی محبت کا جذبہ بھی بہت غالب تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے انہیں یہ حدیث سنائی۔ کہ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپ کے ایک صحابی نے قیامت کے متعلق کوئی سوال کیا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ تم قیامت کے متعلق پوچھتے ہو۔ کیا اس کے لئے تم نے کوئی تیاری بھی کی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ اگر تیاری سے نماز روزہ وغیرہ مراد ہے۔ تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں میں یہ جانتا ہوں کہ میں اپنے دل میں خدا اور اس کے رسول کی سچی محبت رکھتا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اگر یہ درست ہے۔ تو میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں۔ کہ المرء مع من احبّ یعنی انسان اپنی محبوب ہستیوں سے جدا نہیں کیا جائے گا۔ میں نے دیکھا۔ کہ جب میں نے ہمشیرہ مرحومہ کو یہ حدیث سنائی۔ تو ان کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ اور وہ بے ساختہ کہنے لگیں۔ کہ میں بھی اپنے دل کو ایسا ہی پاتی ہوں۔ میں نے کہا کہ پھر آپ کو بھی رسول خدا کی یہ خوشخبری مبارک ہو۔ کہ آپ اپنی محبوب ہستیوں کے ساتھ جگہ پائیں گی۔ چنانچہ ان کے انجام نے بتادیا۔ کہ خدا کے فضل و رحم سے ایسا ہی ہوا۔ واقعی مرحومہ کو خدا اور اس کے رسول اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور پھر اپنے سرتاج حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ بے انتہا محبت تھی۔ میں نے ان کے اس پاک جذبہ کو مختلف رنگوں میں اور مختلف موقعوں پر اور مختلف زمانوں میں ایسے کامل یقین کے ساتھ محسوس کیا ہے کہ اس میں قطعاً کسی شک کی گنجائش نہیں واللہ علیٰ ما اقول شہید

شریعت اسلامی کے مطابق نوافل بجا لانے کی طرف بھی مرحومہ کو بہت توجہ تھی۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ عورتوں کے لئے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا فرض نہیں ہے۔ میں نے گذشتہ سال موسم گرما میں دیکھا۔ کہ وہ ایک لمبے عرصہ تک گھر کی لڑکیوں اور دوسری مستورات کو ساتھ لے کر اور خود ان کی امام بن کر انہیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھایا کرتی تھیں۔ اور جہری قرأت والی نماز دل میں بلند اور پرسوز آواز سے قرآن شریف پڑھتی تھیں۔ مجھے یہ نظارہ دیکھنے کا اس طرح موقعہ ملا۔ کہ جب میں اپنے گھر سے مسجد کی طرف نماز کے لئے جاتا۔ تو میرا راستہ ان کے صحن کے پاس سے گذرتا تھا۔ اور میں نے انہیں بارہا ان کے صحن میں لڑکیوں کو نماز پڑھاتے دیکھا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی قرأت سننے کا تو انہیں اتنا شوق تھا۔ کہ میری ہمشیرہ نے مجھے بتایا۔ کہ وہ کہا کرتی تھی۔ کہ اگر حضرت صاحب سارا دن قرآن شریف پڑھتے رہیں۔ تو میں اس کے سننے سے نہ تھکوں۔

اسی ضمن میں مجھے ہمشیرہ مرحومہ کا ایک اور دلچسپ واقعہ بھی یاد آیا۔ کوئی ڈیڑھ سال کی بات ہے۔ کہ ایک دفعہ شام کے قریب ہمشیرہ مرحومہ ان سیڑھیوں کے اوپر کے حصہ پر آکر بیٹھ گئیں۔ جو میرے مکان کے حصہ میں اترتی ہیں۔ اور مجھے بلا کر فرمانے لگیں۔ کہ میں آپ سے ایک بات کہتی ہوں۔ مگر وعدہ کریں۔ کہ انکار نہیں کرینگے میں نے کہا میں نے پہلے کب کسی بات کا انکار کیا ہے۔ کہ اب آپ وعدہ لیتی ہیں کہنے لگیں نہیں پہلے وعدہ کریں۔ تو پھر بتاؤنگی۔ میں نے کہا اگر کرسکنے کی ہوئی تو انشاء اللہ ضرور کرونگا۔ فرمانے لگیں کہ آپ کے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کافی تبرک ہیں۔ اور میرے پاس کوئی نہیں۔ اور مجھے بے حد تڑپ ہے۔ کہ میرے پاس بھی کوئی تبرک ہو۔ میں نے کہا میں نے آج تک اپنے تبرکات کو محفوظ رکھا ہوا ہے لیکن انشاء اللہ آپ کو ضرور دونگا۔ پھر میں تھوڑی دیر کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ٹکڑا اکرتا چند بال اور ایک حضور کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دستی تحریر لے کر گیا۔ جسے لے کر بے حد خوش ہوئیں۔ اور بڑی دیر تک ان تبرکات کو اپنے سینہ کے ساتھ لگائے رکھا۔ اور مجھے بھی دعائیں دیتی رہیں۔

اولاد کی محبت وخیر خواہی

اولاد کی محبت اور خیر خواہی انسان کی فطرت کا حصہ ہے۔ اور کوئی والدین اس جذبہ سے خالی نہیں ہوتے۔ مگر اس میں بھی مدارج کا سلسلہ چلتا ہے۔ ہماری مرحومہ بہن اس جذبہ میں بھی غیر معمولی شان رکھتی تھیں۔ انہیں اپنی اولاد کی بہتری اور بہبودی اور اس سے بڑھ کر ان کی دینداری کا بے حد خیال رہتا تھا۔ اور وہ ان کے واسطے نہ صرف خود بے انتہا دعائیں کرتی تھیں بلکہ دوسروں کو بھی کثرت کے ساتھ تحریک کرتی رہتی تھیں۔ پھر اولاد کے ساتھ ان کی محبت کا رنگ بھی نرالا تھا۔ جو حجاب بسا اوقات والدین اور اولاد کے درمیان ادب٭ عمر کے فرق وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ان میں اور ان کی اولاد میں بہت کم پایا جاتا تھا کیونکہ ان کی عادت تھی۔ کہ بچوں کو بے تکلف عزیزوں کی طرح اپنے ساتھ لگائے رکھتی تھی۔ بایں ہمہ ان کے بچوں میں (خدا انہیں دین و دنیا کی اعلےٰ ترین حسنات سے متمتع فرمائے آمین) اپنی محترم والدہ صاحبہ کا بے حد ادب تھا۔ اور وہ اپنی والدہ کے لئے حقیقۃً قرۃ العین تھے۔ جیسا کہ احباب کو علم ہے۔ مرحومہ نے اپنے پیچھے تین لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ اور ایک لڑکا۔ لڑکے کے اکیلا ہونے کا مرحومہ کو بہت احساس تھا۔ اور وہ اس بات کے لئے ہمیشہ خاص دعائیں کرتیں۔ اور کرواتی رہتی تھیں۔ کہ ان کا لڑکا جس کا نام طاہر احمد ہے دین و دنیا کی اعلیٰ ترین ترقیاں حاصل کرے۔ اور اس کی تربیت کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ جب میں ان کی بیماری میں آخری دفعہ لاہور گیا (یعنی ان کی وفات والی دفعہ سے پہلے) تو جب میں واپسی پر انہیں رخصت کا سلام کہنے کے لئے ان کے کمرہ میں گیا اور میں نے ان سے ذکر کیا کہ طاہر احمد کا امتحان ہونے والا ہے۔ اس لئے میں واپس جاتا ہوں۔ تو انہوں نے مجھے تاکید کے ساتھ کہا۔ کہ ہاں آپ ضرور جائیں اور طاہر کا خیال رکھیں۔ اور پھر یہ خیال کرکے کہ شاید ان کی بیماری کی شدت کی وجہ سے میں طاہر کو اکیلا چھوڑ کر درمیان میں پھر واپس لاہور نہ آجاؤں۔ کسی قدر رقت کے ساتھ کہا۔ کہ آپ میری خاطر امتحان کے آخر تک وہیں طاہر کے پاس ٹھہریں۔ چنانچہ میں قادیان چلا آیا۔ اور جہاں تک خدا نے توفیق دی طاہر کا خیال رکھتا رہا۔ مگر یہ خدا کا فضل تھا۔ کہ ان کی وفات اتوار کو ہوئی۔ جو کہ امتحان کے لحاظ سے رخصت کا دن تھا۔ اور اس طرح میں عزیز طاہر احمد کو گھبراہٹ میں ڈالنے کے بغیر ہمشیرہ مرحومہ کے آخری لمحات میں چند گھنٹہ کے لئے پھر لاہور پہنچ سکا۔ اور اس طرح اللہ تعالےٰ نے ان کی اور میری دونوں کی خواہش کو بیک وقت پورا کردیا۔ لڑکیوں کے متعلق ہمشیرہ مرحومہ کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا۔ کہ وہ جلد تر ان کی زندگی میں ہی بیاہی جائیں۔ تاکہ یہ نازک بوجھ ان کے سر سے اتر جائے۔ مشیت الٰہی کے ماتحت ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی مگر یہ ایک عجیب قدرت الٰہی ہے۔ کہ گو وہ ہر بیماری میں ہماری ہمشیرگان وغیرہ کے ساتھ اس کا ذکر زیادہ تکرار کے ساتھ کیا کرتی تھیں۔ مگر اپنی آخری بیماری کے ایام میں مرحومہ نے اس ذکر کو بالکل ترک کر دیا تھا گویا کہ وہ راضی برضائے الٰہی ہو کر اس معاملہ کو خدا پر چھوڑ چکی ہیں۔ بہر حال سیدہ موصوفہ اپنی اولاد کے حق میں ایک بہترین ماں تھیں۔

اور ان کی دینی اور دنیوی بہبودی کے لئے بے حد کوشاں رہتی تھیں

عزیزوں اور رشتہ داروں سے خاص محبت

اولاد کے علاوہ ہمشیرہ مرحومہ کو دوسرے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی خاص محبت تھی۔ اور وہ سب کو بڑے شوق سے ملتیں اور بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آتی تھیں۔ عزیزوں کی بیماری میں بھی بیحد ہمدردی کا ثبوت دیتی تھیں۔ اور ایسے موقعوں پر اپنے آرام کو گویا بالکل بھول جاتی تھیں۔ چنانچہ دو سال کا عرصہ ہؤا۔ جب میری لڑکی عزیزہ امۃ السلام بیگم سخت بیمار ہوئی۔ تو ہمشیرہ مرحومہ پورے تین دن رات قریباً مسلسل اس کے سرھانے کے ساتھ لگی بیٹھی رہیں۔ اور تیمارداری کے نازک فرائض کو اس محبت اور اخلاص کے ساتھ ادا کیا۔ کہ میرے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی تھی۔ یہ ان ایام کی بات ہے۔ جبکہ سیدہ مرحومہ کے بھائی عزیزم مکرم سید محمود اللہ شاہ صاحب افریقہ سے تازہ تازہ رخصت لے کر کئی سال کے وقفہ کے بعد قادیان پہنچے تھے۔ اور مرحومہ کے یہ وہ بھائی ہیں۔ جن کے ساتھ مرحومہ کو اپنے سب بھائی بہنوں سے زیادہ بلکہ اخص درجہ محبت تھی۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے امۃ السلام بیگم کی خدمت میں تین دن رات ایک کر دئے۔ اور اس وقت تک ساتھ نہیں چھوڑا جب تک کہ وہ خطرہ سے باہر نہیں ہو گئی۔ یہی سلوک ان کا دوسرے عزیزوں کے ساتھ تھا۔ اور حضرت صاحب کی بیماری میں تو ان کی خدمت اور جاں نثاری انتہاء کو پہنچ جاتی تھی مگر اللہ میاں کے سودے بھی کتنے نقد بنقد ہوتے ہیں۔ کہ وفات سے پہلے خدا نے ہمشیرہ مرحومہ کی آنکھیں بھی اس نظارہ سے ٹھنڈی کیں۔ کہ باوجود لمبی بیماری کے مرحومہ کے ذی شان خاوند نے ان کی تیمارداری میں انتہائی محبت اور اور انتہائی خدمت کا حق ادا کیا۔ اور دوسرے عزیزوں نے بھی علی حسب مراتب کسی بات میں کمی نہیں کی۔ اور مرحومہ کی لجنہ کی رفیق کار اقبال بیگم صاحبہ نے تو اڑھائی مہینہ اس محبت اور اس جانفشانی کیساتھ خدمت سرانجام دی۔ کہ ہم سب کے دل سے ان کیلئے دعا نکلتی ہے۔

لین دین کے معاملات میں صفائی

لین دین کے معاملہ میں بھی ہمشیرہ مرحومہ نہایت صاف تھیں۔ اور لوگ ان پر کامل اعتماد کرتے تھے۔ اور ان کے پاس کثرت کے ساتھ امانتیں رکھواتے تھے۔ اور اگر مرحومہ کو کبھی کسی سے قرض لینے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ تو وہ نہ صرف قطعاً کوئی تامل نہیں کرتا تھا۔ بلکہ خوشی اور شوق کے ساتھ پیش کر دیتا تھا۔ حاجتمندوں کو قرض دینے میں بھی مرحومہ بے حد فراخ دل تھیں۔ بلکہ اگر اپنے پاس نہیں ہوتا تھا۔ تو کسی دوسرے سے لے کر دے دیتی تھیں۔ مجھے انہوں نے بعض اوقات ایسے رنگ میں روپے کے انتظام کے متعلق کہا۔ کہ میرے دل میں درد پیدا ہونے لگا۔ کہ انہیں کتنی سخت اور فوری ضرورت درپیش ہے۔ مگر بات کھلنے پر معلوم ہؤا۔ کہ وہ کسی دوسرے حاجتمند کی ضرورت پر بے چین ہو کر اس کے واسطے سفارش کر رہی ہیں۔ دوکانداروں کے ساتھ لین دین بھی نہایت صاف تھا۔ اور پائی پائی کا حساب لکھ کر وعدہ پر ادا کر دیتی تھیں۔ اب بھی اگر کسی کا کوئی روپیہ مرحومہ کے ذمہ نکلتا ہو تو وہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کو اطلاع دے کر اپنا روپیہ وصول کر لے کیونکہ مرحومہ کی روح عالم بالا میں ایسے سفلی بوجھوں سے آزاد رہنی چاہیئے۔

آخری بیماری

میرے نوٹ ابھی بہت باقی ہیں۔ اور مضمون پہلے ہی اخبار کی حدود سے زیادہ لمبا ہو گیا ہے۔ اس لئے میں بقیہ باتوں کو چھوڑ کر صرف مرحومہ کی آخری بیماری اور وفات کے متعلق ایک مختصر بیان پر اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ یہ ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ کہ ہمشیرہ مرحومہ کی صحت عموماً اچھی نہیں رہتی تھی۔ گو وہ درمیان میں بظاہر بالکل اچھی نظر آنے لگتی تھیں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ گذشتہ سال ماہ اکتوبر میں ڈلہوزی سے واپس آکر پھر نومبر کے تیسرے ہفتہ کے آخر میں دو دن کے لئے ڈلہوزی تشریف لے گئے۔ تو اسوقت بھی ہمشیرہ مرحومہ بظاہر بالکل اچھی تھیں۔ چنانچہ حضور نے موسم سرما میں غرباء کی تقسیم کے لئے جو لحاف تیار کروانے تھے۔ ان کا کام سیدہ مرحومہ کے سپرد کر کے ڈلہوزی تشریف لے گئے۔ اور تاکید کر گئے۔ کہ دو دن کے اندر اندر ہماری واپسی تک سارے لحاف تیار ہو جائیں تاکہ دیر ہو جانے کی وجہ سے غریبوں کو تکلیف نہ ہو۔ میں تو حضور کے ساتھ ڈلہوزی چلا گیا تھا۔ مگر واپس آکر سنا۔ کہ ہمشیرہ مرحومہ نے یہ دو دن سارا وقت لگا کر اور بہت سی کارکنات کو اپنے ساتھ رکھ کر یہ لحاف تیار کئے اور بے حد کوفت اٹھائی۔ ڈلہوزی کے اس دو روزہ قیام میں میں نے ہمشیرہ مرحومہ کے متعلق ایک خواب دیکھی۔ جس میں جیسا کہ بعد کے حالات نے ظاہر کیا۔ صریح طور پر ان کے ناکام اپریشن اور اس کے بعد وفات کی طرف اشارہ تھا۔ مگر اُسوقت اس طرف قطعاً خیال نہیں گیا۔ حتیٰ کہ بارہ سال کا عرصہ ہؤا۔ خود حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی سیدہ مرحومہ کے متعلق ایک صریح خواب دیکھی تھی۔ کہ ان کا اپریشن ہوا ہے۔ اور اس کے بعد ہارٹ فیل کر گیا ہے۔ مگر تصرف الٰہی کے ماتحت اپریشن سے پہلے حضور کے ذہن سے بھی یہ خواب بالکل اُتری رہی۔ بہرحال جب ہم ۲۲ نومبر ۱۹۴۳ء کو ڈلہوزی سے واپس آئے۔ تو اسوقت بھی ہمشیرہ مرحومہ بظاہر بالکل اچھی تھیں۔ مگر اسکے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر یعنی ۲۳ نومبر ۱۹۴۳ء کی شام کو بستر میں لیٹ گئیں اور ایسی لیٹیں کہ پھر نہ اُٹھیں۔ اسکے بعد کے حالات مختصر طور پر الفضل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور اس جگہ اُن کے اعادہ کی ضرورت نہیں البتہ بعض زائد باتیں قابل ذکر ہیں۔ بیماری کے ابتدائی ایام میں خود حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ گردہ کی شدید تکلیف سے بیمار ہو گئے اور کئی دن تک سیدہ مرحومہ کی تیمارداری کے لئے تشریف نہیں لا سکے۔ اور ہمشیرہ کی تکلیف دن بدن زیادہ ہوتی گئی۔ انہی ایام میں ایک دن مکرمی ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے جو ہمارے خاندانی معالج ہیں اور ہمیشہ نہایت محبت اور اخلاص سے علاج فرماتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے) مجھے رات کے دو بجے کے قریب پیغام بھیجا۔ کہ سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ کو زیادہ تکلیف ہے۔ تم بھی اوپر آجاؤ۔ میں گیا۔ تو وہ درد اور کرب کی انتہائی تکلیف میں مبتلا تھیں۔ اور سخت بے چینی تھی۔ مجھے دیکھکر رقت کے ساتھ فرمانے لگیں۔ میرے بھائی آپ میرے واسطے دعا نہیں کرتے؟ یہ ان کے کہنے کا مخصوص انداز تھا۔ تاکہ دعا کی زیادہ تحریک ہو۔ ورنہ وہ خوب جانتی تھیں۔ کہ میں اُن کے لئے ہمیشہ خاص طور پر دعا کرتا ہوں۔ اُس وقت میں نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ کیا میں ماموں جان (محترمی ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب جنہوں نے آخری ایام میں اپنی بیماری اور کمزوری کے باوجود مرحومہ کا اس محبت اور شفقت کے ساتھ علاج کیا۔ کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء) کو بلا لوں۔ مگر انہوں نے رات کے وقت ماموں جان کی تکلیف کے خیال سے اس تجویز کو منظور نہیں کیا اور میں نے بھی ان کی حساس طبیعت ہونے کی وجہ سے ان کی مرضی کے خلاف قدم اٹھانا نہیں چاہا۔ بہرحال بیماری جلد جلد بڑھتی گئی۔ اور اس عرصہ میں حضرت صاحب بھی اپنی حالت میں کسی قدر افاقہ ہونے پر باوجود نقاہت اور کمزوری کے تشریف لے آئے۔ اور اپنی خدمتگذار اور وفادار اور جاں نثار بیوی کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اور پھر آخر تک اس خدمت کو اس محبت اور اس شفقت اور اس وفاداری اور اس قربانی کے ساتھ نباہا۔ کہ آپ کا یہ اسوہ ہم سب کے لئے ہمیشہ کے واسطے ایک پاک نمونہ کا کام دے گا۔

لاہور میں علاج

جب قادیان میں افاقہ کی صورت نہ ہوئی۔ تو آخر طبی مشورہ کے ماتحت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ ۳ دسمبر ۱۹۴۳ء کو بروز جمعہ سیدہ مرحومہ کو لاہور لے گئے۔ اور لیڈی ولنگڈن ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ اور پانچ میل کی لمبی مسافت طے کر کے صبح شام دونوں وقت انکی عیادت کے لئے ہسپتال تشریف لے جاتے رہے۔ ہسپتال میں ابتداءً افاقہ کی صورت پیدا ہوئی۔ مگر پھر حالات نے ایسا پلٹا کھایا۔ کہ ڈاکٹر کرنیل ہیز کو ۱۴ جنوری ۱۹۴۴ء کو بروز جمعہ پیٹ کا اپریشن کرنا پڑا۔ اور چند دن بعد پھر ایک دوسرا اپریشن ہؤا۔ مگر حالت دن بدن بگڑتی اور کمزوری بڑھتی ہی چلی گئی۔ آخر جب یہ دیکھا گیا کہ اس ہسپتال کے ڈاکٹر اپنا زور لگا کر ہمت ہار چکے ہیں اور اسجگہ کی پابندیاں بھی ایسی تھیں جو اُس مذہبی اور روحانی ماحول کی منافی تھیں جو ایک مسلمان کو اپنے آخری لمحات میں حاصل ہونا چاہیئے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ نے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب اور

اس خاکسار کو فون کر کے لاہور بلوایا تاکہ مشورہ کیا جا سکے کہ کیوں نہ پیش آمدہ حالات میں سیدہ ام طاہر احمد کو احتیاط کے ساتھ قادیان پہنچا دیا جائے۔ اور وہاں اپنی نگرانی میں علاج کیا جائے۔ چنانچہ ہم دونوں لاہور پہنچے۔ اور سیدہ مرحومہ کی بیماری میں ہمارا یہ چوتھا سفر تھا۔ لیکن چونکہ ان کی حالت زیادہ کمزور پائی گئی۔ اس لئے بالآخر یہی تجویز ہوئی کہ کسی اور ماہر ڈاکٹر کو دکھا کر کسی دوسرے ہسپتال میں منتقل کر لیا جائے۔ چنانچہ کرنیل بھروچہ کے ساتھ بات کر کے اور انہیں آمادہ پا کر ۲۶؍ فروری ۱۹۴۴ء کو بروز ہفتہ سیدہ مرحومہ کو سرگنگا رام ہسپتال میں ایک ایمبولنس کار کے ذریعہ احتیاط کے ساتھ منتقل کر دیا گیا اور اس انتقالِ ہسپتال کے تعلق میں کرنیل ہیئر نے بھی بطیب خاطر امداد دی۔ نئے ہسپتال میں کرنیل بھروچہ خود دو وقت دیکھتے اور خود پٹی کرتے تھے۔ اور حضرت صاحب کو یہ سہولت تھی کہ اول تو یہ ہسپتال حضور کی قیام گاہ کے بالکل قریب تھا۔ دوسرے اس میں آنے جانے کے اوقات کی ویسی سخت پابندیاں نہیں تھیں جیسی کہ لیڈی ولنگٹن ہسپتال میں تھیں۔ اور تیسرے یہ کہ اس جگہ کا ماحول قریباً اپنے اختیار میں تھا۔ جہاں اپنا مخصوص مذہبی اور روحانی رنگ آسانی سے پیدا کیا جا سکتا تھا۔ مگر تقدیر کے نوشتے بہرحال پورے ہونے تھے۔ حالت یہاں بھی خراب ہی ہوتی گئی اور آخر ۵؍ مارچ ۱۹۴۴ء کو اتوار کے دن اڑھائی بجے سہ پہر کو قریباً ۳۹ سال کی عمر میں ہماری بہن نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور اپنے آقا و مالک کے حضور پہنچ گئیں فانا للّٰہ و انا الیہ راجعون وکل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

آخری لمحے

یوں تو کچھ عرصہ قبل سے ہی ہمشیرہ کی حالت بے حد تشویشناک ہو رہی تھی۔ اور آنے والا خطرہ ہر دم قریب آتا نظر آتا تھا۔ اور ۵؍ مارچ سے قبل کی ساری رات حضرت صاحب اور ہم سب ہسپتال میں ٹھہرے رہے تھے۔ لیکن ۵؍ مارچ کو دس بجے صبح کے قریب کرنیل بھروچہ اور حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی متفقہ رائے کے ماتحت یہ بات معین طور پر سمجھی گئی تھی کہ اب بظاہر اس فانی دنیا میں سیدہ مرحومہ کے آخری لمحات ہیں۔ اس وقت حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ اب مناسب ہے کہ مرحومہ کے بچوں کو (عزیز طاہر احمد سلمہ کے سوا جو قادیان میں تھا۔ اس وقت سارے بچے لاہور ہی میں موجود تھے) بلا کر ان کی والدہ سے ملا دیا جائے۔ مگر بچوں کو سمجھا دیا جائے کہ ماں کے سامنے ضبط سے کام لیں۔ تاکہ سیدہ مرحومہ کے دل کو کوئی فوری دھکا نہ پہنچے۔ اس وقت بچوں کو اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو اور دوسرے عزیزوں کو گھر سے بلا لیا گیا اور سب نے باری باری مرحومہ کے کمرے میں جا کر انہیں اس فانی دنیا میں آخری نظر دیکھ لیا۔ اور انہیں اپنی آخری دعا دی اور ان کی آخری دعا لی۔ اس وقت تک مرحومہ پوری ہوش میں تھیں۔ اور میں دیکھتا تھا کہ وہ کامل سکون کے ساتھ لیٹی ہوئی تھیں اور ہر اندر جانے والے کے بعد ان کی محبت کی آنکھیں اٹھتی تھیں اور دعائیہ فقروں کے ساتھ ہونٹ ہلتے جاتے تھے۔ جب ان کی چھوٹی بچی عزیزہ امۃ الجمیل سلمہا جس کی عمر صرف سات سال کی ہے۔ ان کے سامنے گئی۔ تو مرحومہ نے اپنا کمزور ہاتھ اٹھا کر اس کے سر پر رکھا۔ اور ایک سیکنڈ کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لیں مگر اس سارے عرصہ میں ایسے صبر اور ضبط کا نمونہ دکھایا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی مجاہدانہ توجہ

اس وقت حضرت صاحب کا یہ حال تھا کہ بار بار کمرے کے اندر جاتے اور قرآن کریم اور مسنون دعاؤں کی تلاوت فرماتے۔ اور پھر دعا کرتے ہوئے باہر آ جاتے اور برآمدہ میں ٹہلنے لگتے اور درمیانی عرصہ میں حضرت صاحب کی جگہ ہمارے ماموں جان ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب اور مکرمی ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور دوسرے عزیز قرآن شریف پڑھنے لگتے۔ اور سب کی مشترکہ آواز سے کمرہ قرآنی دعاؤں سے گونج رہا تھا۔ یہ ایک عجیب نظارہ تھا جو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا کے حکم کے ماتحت آسمانی صناعوں نے ان غم کی گھڑیوں کو روحانیت کی مخلوط تاروں کے ساتھ ملا جلا کر بُن دیا ہے۔ اس وقت میں جب بھی کمرہ کے اندر گیا یا جب بھی میں نے دروازہ کھول کر کمرے کے اندر جھانکا (کیونکہ بعض اوقات میں کمرے کے اندر جانے کی ہمت نہیں پاتا تھا) میری آنکھوں نے یہی نظارہ دیکھا کہ ہمشیرہ مرحومہ کی آنکھیں محبت سے بھرے ہوئے جذبات کے ساتھ کمرہ کے مختلف حصوں میں اپنے عزیزوں پر آخری نظر ڈالنے کے لئے چاروں طرف گھومتی تھیں اور مرحومہ کے ہونٹ دعائیہ الفاظ کے ساتھ برابر ہلتے جاتے تھے البتہ جب حضرت صاحب کمرہ کے اندر جا کر اور مرحومہ کے منہ کی طرف جھک کر قرآنی دعائیں پڑھتے تھے۔ تو مرحومہ کی نظریں حضور کے چہرے پر جم جاتی تھیں۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنی حقیقی قرارگاہ کو پا لیا ہے۔

پرسکون انجام

اس منظر کا نمایاں پہلو سکینت کے لفظ میں مرکوز تھا اور یوں نظر آتا تھا کہ ایک بادبانوں والی کشتی ایک پہاڑوں سے گھری ہوئی جھیل کی ہلکی ہلکی لہروں پر آہستہ آہستہ حرکت کرتے ہوئے اپنی آخری گھاٹ کے قریب پہنچ رہی ہے۔ مرحومہ کے چہرے پر کرب اور اضطراب کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کامل سکون اور انتہائی طمانیت کے ساتھ اپنی جان کو خود اپنی ہتھیلی پر رکھے ہوئے اپنے آقا و مالک کو اس کی آخری امانت واپس کرنے کے لئے خراماں خراماں آگے بڑھ رہی ہیں۔ موت کے وقت کی یہ حالت عام لوگوں کے لحاظ سے بھی غیر معمولی ہے مگر ہمشیرہ مرحومہ کے لحاظ سے تو وہ حقیقۃً محیر العقول تھی کیونکہ سیدہ مرحومہ زندگی کے جذبات سے اس قدر معمور تھیں کہ ان کے متعلق اندیشہ تھا کہ ان کے رشتہ حیات کے ٹوٹنے میں نہ معلوم کیسے کیسے کرب اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو۔ مگر خدا کے فضل خاص نے ان پر اس وقت غیر معمولی سکینت نازل فرمائی۔ اور ان کے آخری سفر کو ان کے لئے ایسا آسان کر دیا کہ جیسے ایک نازک پھول کو ایک نرم ہاتھوں والا شخص ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتا ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں مرحومہ کو قریباً آخری وقت تک ہوش رہی۔ سوائے آخری چند منٹ کے جبکہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ نیم ہوش میں نہیں تھیں۔ مگر ان آخری چند منٹوں میں بھی ان کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ وہی سبک رفتار کشتی تھی اور وہی سطح جھیل کی ہلکی ہلکی لہریں۔ حتیٰ کہ کنارے کے ساتھ لگنے کا آخری جھٹکا بھی محسوس نہیں ہوا۔ گویا خدا کی رحمت کے فرشتوں نے اسے کنارے پر لگنے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ جب بالکل آخری سانس تھے تو میں نے ڈاکٹروں کا اشارہ پا کر حضرت صاحب کو جو اس وقت برآمدہ میں ٹہلتے ہوئے دعائیں کر رہے تھے کمرہ کا دروازہ کھولتے ہوئے اشارے سے اندر تشریف لانے کو کہا۔ اور پھر ہم سب باہر آ گئے اور اس طرح صرف حضور کے ہاتھوں میں اور حضور ہی کی آنکھوں کے سامنے حضور کی یہ تینتیس سالہ رفیقۂ حیات جس نے اپنے خاوند کو انتہائی محبت دی اور اس سے اس کی انتہائی محبت کو پایا اپنے خدا کے حضور پہنچ گئی۔

اچھی زندگی اور اچھی موت

موت فوت تو ہر انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور جلد یا بدیر ہر فرد بشر کو الٰہی قدیر کے اس اٹل دروازے سے گزرنا پڑتا ہے۔ مگر مبارک ہے وہ انسان جسے اچھی زندگی کے ساتھ اچھی موت بھی نصیب ہو۔ اور الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ کہ ہماری مرحومہ بہن نے خدا کی ان دونوں نعمتوں سے پورا پورا حصہ پایا۔ زندگی تو یوں گزری کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی منتخب کردہ بہو اور بہو بھی دہری بہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی چہیتی بیوی جس نے اپنے خاوند کے گھر میں ربع صدی تک محبت کا راج کیا۔ پھر الٰہی جماعت کے نصف حصہ یعنی احمدی خواتین کی محبوب لیڈر اور جماعتی خدمات میں سب کے لئے اعلیٰ نمونہ۔ بھلا ایسی زندگی کسے نصیب ہوتی ہے؟ اور موت آئی تو کیسی؟ پیٹ کی بیماری جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ مومن کے لئے شہادت ہوتی ہے۔ پھر ساڑھے تین ماہ کی طویل علالت جو

اپنی ذات میں تکفیر سیئات اور رفع درجات کا بھاری ذریعہ ہے۔ پھر اس بیماری میں جماعت کے اندر مرحومہ کے لئے خاص دعائیں اور صدقہ و خیرات کی ایسی غیر معمولی تحریک جس کی نظیر نہیں ملتی۔ پھر عین وفات کے وقت مرحومہ کے ارد گرد تلاوت قرآن اور دعاؤں کا غیر معمولی ماحول۔ پھر جنازہ میں مومنوں کا عدیم المثال اجتماع جو ساری تاریخ احمدیت میں حقیقۃً بے نظیر تھا۔ پھر جنازہ کی نماز میں غیر معمولی خشوع خضوع جس کی وجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ لوگوں کے دل پگھل پگھل کر باہر آ رہے ہیں۔ پھر قبر پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی مومنوں کی جماعت کے ساتھ انتہائی سوز و درد کی دعائیں اور بالآخر مرحومہ کی وفات پر بہت سی نیک تحریکات کا آغاز۔ مثلاً مسجد مبارک کی توسیع۔ وقف جائیداد کی تحریک۔ وقف زندگی کی جدید تحریک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک مزار پر ترقی اسلام کے لئے روزانہ دعاؤں کا اہتمام وغیرہ ذالک۔ یہ سب تحریکات ایسی ہیں۔ جو مرحومہ کی وفات سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں۔ اور انشاء اللہ مرحومہ کی روح ان سب مبارک تحریکوں کے غیر معمولی ثواب سے حصہ وافر پائے گی۔ پھر مرحومہ کی وفات تو مقدر تھی ہی مگر خدا نے ایسا تصرف فرمایا کہ ان کی بیماری کو لمبا کر کے ان کی موت کو اس وقت تک روکے رکھا جب تک حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ پر مصلح موعود کا انکشاف نہ فرما دیا۔ اور اس طرح مرحومہ نے اپنی وفات سے پہلے اس عظیم الشان خوشخبری کو اپنے کانوں سے سن لیا کہ ان کا سرتاج مصلح موعود ہے۔ اور اس خبر سے انہوں نے بے حد راحت حاصل کی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ مرحومہ کی بیماری ہی اس سفر کا باعث بنی۔ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح پر مصلح موعود کے بارے میں انکشاف ہوا۔ یہ سب باتیں ہمارے خدائے قدیر کی قدرت نمائی کا زبردست کرشمہ ہیں۔ جس نے ہماری محترمہ بہن کی زندگی اور موت دونوں کو روحانی مٹھاس سے بھر دیا۔ اور یہ مٹھاس ایک صاحب دل شخص کے لئے اتنی غالب ہے کہ اس کے مقابل میں جدائی کی تلخی اپنی انتہائی شدت کے باوجود اپنی تلخی کو کھو دیتی ہے مگر ہمارے خدا نے اپنی ازلی حکمت کے ماتحت انسان کو صرف روح ہی نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ گوشت پوست کا ڈھانچہ بھی عطا کیا ہے۔ پس گو ہماری روح اس روحانی شیرینی کی طرف سرور میں آ آ کر لپکتی ہے۔ لیکن جسم کمزور ہے اور تلخی کے بوجھ کے نیچے ٹوٹا جا رہا ہے۔ مگر ہم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہتے کہ نرضیٰ بما یرضیٰ به الله وانا بفراقك يا اخت لمحزونون وانا لله وانا اليه راجعون

مرحومہ کے لئے دردمندانہ دعائیں

اب ایک آخری لفظ کہہ کر میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ ہر وفات پانے والے کے متعلق اس کا ہر عزیز کچھ نہ کچھ ذاتی جذبات رکھتا ہے اور میں اس فطری قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں اور اگر میں چاہوں تو ہمشیرہ مرحومہ کے متعلق جو ایک بہترین بہن تھیں اس باب میں بہت کچھ لکھ سکتا ہوں۔ مگر میں نے دانستہ اس رستہ پر پڑنے سے احتراز کیا ہے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ مرحومہ کے متعلق میرے جذبات لفظوں میں گم ہو کر ہوا میں اڑ جائیں۔ پس میں انہیں دعاؤں کی تحریک کے لئے اپنے سینہ میں محفوظ رکھتا ہوں۔ کیونکہ ایک مرنے والے کے لئے جس کے اپنے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اس کے پیچھے رہ جانے والوں کی دعائیں ہی بہترین خدمت ہیں۔ مگر دعاؤں کی توفیق ملنا بھی خدا کے فضل پر منحصر ہے۔ پس اے ہمارے مہربان آقا جو زمین و آسمان کا واحد خدا ہے۔ جو اس دنیا کا بھی مالک ہے۔ اور اگلے جہان کا بھی۔ جس نے موت سے زندگی پیدا کی اور پھر اس زندگی کو موت میں گم کر دیا۔ اور اس موت سے پھر ایک آخری زندگی پیدا کرے گا۔ جس کے بعد کوئی موت نہیں۔ پس اے آخری اور دائمی زندگی کے مالک جس طرح تو نے ہماری رخصت ہونے والی بہن کو اس کی زندگی کے پہلے دور میں نوازا۔ اور اس کے دامن کو اپنے فضل و رحمت کے پھولوں سے بھر دیا۔ اور پھر جس طرح تو نے اس کی موت کو اپنی تقدیر خاص کے ماتحت برکت عطا کی اور اسے رحمت کے نشانوں سے زینت دی۔ اسی طرح اے ہمارے رحیم و ودود آقا تو اپنی اس کمزور بندی کو جو عین عالم شباب میں زندگی کے پہلے دور سے کٹ کر اور بے شمار عزیزوں کی رفاقت کو چھوڑ کر زندگی کے آخری دور میں تنہا قدم رکھ رہی ہے۔ اپنے فضل اور رحمت کے ہاتھوں سے قبول کر۔ اور اس کی کمزوریوں کو جو اکثر انسانوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اپنی مغفرت کا پردہ ڈال کر اسے اس پاک گروہ میں داخل فرما۔ جو تیری ازلی تقدیر کے ماتحت بے حساب بخشش پانے والا ہے۔ خدایا تو ہماری اس بہن کے لئے جس کی پہلی زندگی تیرے ہی سایہ کے نیچے گزری اس کے قبر کے زمانہ کو آسان کر دے اور اس کی روح کے توحش کو جو اس نئے دور کے ماحول سے پیدا ہو سکتا ہے اپنی شفقت کی نظر سے دور فرما اور اسے سکینت اور قرار عطا کر۔ وہ تیری رحمت کے سایہ میں سے نکلی ہے تیری ہی رحمت کے سایہ میں جگہ پائے اور تیرا برگزیدہ رسول جس کی وہ نواسی ہے اور تیرا پاک مسیح جس کی وہ بہو اور بیٹی ہے اسے اپنی محبت کی گود میں جگہ دیں۔ خدایا تیری جنت بہت وسیع ہے۔ اور تیرے فضل و کرم کی کوئی حد نہیں۔ تو ایسا کرم فرما کہ تیری یہ بندی جسے تو نے دنیا میں مرتبہ اور شرف عطا کیا۔ وہ آخرت میں بھی تیری رحمت کے ہاتھوں سے رتبہ اور شرف پائے اور تیرے برگزیدہ بندوں میں شمار ہو۔ خدایا تو اس کی ان تمام نیک مرادوں کو جو وہ دنیا میں رکھتی تھی اپنے فضل و رحم سے پورا کر اور اس کی اولاد کا جسے اس نے کم سنی کی عمر میں ہزاروں امنگوں کو اپنے سینے میں لئے ہوئے تیرے ہاتھ میں چھوڑا ہے حافظ و ناصر ہو۔ آمین یا ارحم الراحمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

خاکسار راقم آثم مرزا بشیر احمد۔ ۲۹ مارچ ۱۹۴۴ء

۳۱ مارچ کو دعا کی فہرست پیش کر دی گئی

قادیان ۳۱ مارچ۔ سیدنا حضرت المصلح الموعود امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے حضور آج ۹½ بجے شام تحریک جدید کے ۲۲۷۲ ان مجاہدین کی فہرست دعا کے لئے پیش کر دی گئی جنہوں نے سال دہم کا چندہ منی آرڈر بیمہ۔ چیک۔ ڈرافٹ اور تاروں کے ذریعہ ارسال فرمایا۔ ان کارکنوں کے نام بھی پیش کئے گئے۔ جنہوں نے بحیثیت اپنی جماعت کے چندہ کی وصولی میں خاص جدوجہد کی چونکہ ۳۰ مارچ اور ۳۱ مارچ کو صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں تعطیل تھی۔ اس لئے یکم اپریل کو جو منی آرڈر ان تاریخوں کے وصول ہونگے۔ ان کی دوسری فہرست بھی پیش کی جائے گی۔ انشاء اللہ

خدا کے موعود خلیفہ کے حضور ان احباب کے لئے بھی دعا کی درخواست پیش کی گئی ہے جو باوجود شدید تڑپ و خواہش اور کوشش کے ۳۱ مارچ تک ادا نہیں کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق بخشے۔ کہ وہ ماہ اپریل میں ہی ادا کر دیں۔ جن اصحاب نے ۳۱ مارچ تک اپنا چندہ ادا کر کے السابقون الاولون کی صف اول میں آنے کی جدوجہد کی ہے۔ تحریک جدید تہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اور انہیں جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرہ کا ہدیہ پیش کرتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے امام کے ہر ارشاد پر صحیح اور حقیقی معنوں میں لبیک کہنے کی توفیق بخشے۔ فنانشل سیکرٹری تحریک جدید

پچیسواں یوم وقار عمل

۳۱ مارچ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر اہتمام پچیسواں یوم وقار عمل آج باب الانوار سے قادر آباد جانے والی سڑک پر منایا گیا۔ کام حسب اعلان ٹھیک ½۴ بجے شروع کیا گیا۔ اور ½۲ گھنٹے میں ۶۰۰ فٹ لمبی اور اوسطاً گیارہ فٹ چوڑی سڑک تیار کی گئی۔ جس پر ۳۵۵۰ مکعب فٹ مٹی ڈالی گئی۔ فرسٹ ایڈ اور پانی پلانے کا انتظام مہتمم صاحب خدمت خلق کی طرف سے اور پہرہ کا انتظام مہتمم صاحب صحت جسمانی کی طرف سے کیا گیا۔ طبی انتظام کے م انچارج ڈاکٹر حافظ مسعود احمد صاحب تھے۔ اور سڑک کی تیاری کے کام کی نگرانی سید سردار حسین صاحب افسر تعمیرات صدر انجمن احمدیہ نے کی۔ خدام کے علاوہ اراکین مجلس انصار اللہ بھی حضرت مولوی شیر علی صاحب اور خان صاحب [illegible] شریک ہوئے۔ کام کے اختتام پر چودھری خلیل احمد صاحب ناصر قائمقام صدر نے تمام دوستوں کا شکر ادا کیا۔ اور اس کے بعد حضرت مولوی شیر علی صاحب نے دعا کرائی۔ خاکسار۔ خلیل احمد مہتمم وقار عمل

اپنی ذات میں تکفیر سیئات اور رفع درجات کا بہادی ذریعہ ہے۔ پھر اس بیماری میں جماعت کے اندر مرحومہ کے لئے خاص دعاؤں اور صدقہ و خیرات کی ایسی غیر معمولی تحریک جس کی نظیر نہیں ملتی۔ پھر عین وفات کے وقت مرحومہ کے اردگرد تلاوت قرآن اور دعاؤں کا غیر معمولی ماحول۔ پھر جنازہ میں مومنوں کا عدیم المثال اجتماع جو ساری تاریخ احمدیت میں حقیقۃً بے نظیر تھا۔ پھر جنازہ کی نماز میں غیر معمولی خشوع و خضوع جس کی وجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ لوگوں کے دل پگھل پگھل کر باہر آ رہے ہیں۔ پھر قبر پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی مومنوں کی جماعت کے ساتھ انتہائی سوز و درد کی دعائیں۔ اور بالآخر مرحومہ کی وفات پر بہت سی نیک تحریکات کا آغاز۔ مثلاً مسجد مبارک کی توسیع۔ وقف جائیداد کی تحریک۔ وقف زندگی کی جدید تحریک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک مزار پر ترقی اسلام کے لئے روزانہ دعاؤں کا اہتمام وغیرہ ذالک۔ یہ سب تحریکات ایسی ہیں۔ جو مرحومہ کی وفات سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں۔ اور انشاء اللہ مرحومہ کی روح ان سب مبارک تحریکوں کے غیر معمولی ثواب سے حصہ وافر پائے گی۔ پھر مرحومہ کی وفات تو مقدر تھی ہی مگر خدا نے ایسا تصرف فرمایا کہ ان کی بیماری کو لمبا کر کے ان کی موت کو اس وقت تک روکے رکھا جب تک حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ پر مسیح موعود کا انکشاف نہ فرما دیا۔ اور اس طرح مرحومہ نے اپنی وفات سے پہلے اس عظیم الشان خوشخبری کو اپنے کانوں سے سن لیا کہ ان کا سرتاج مصلح موعود ہے۔ اور اس خبر سے انہوں نے بے حد راحت حاصل کی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ مرحومہ کی بیماری ہی اس سفر کا باعث بنی۔ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح پر مصلح موعود کے بارے میں انکشاف ہوا۔ یہ سب باتیں ہمارے خدائے قدیر کی قدرت نمائی کا زبردست کرشمہ ہیں۔ جس نے ہماری پیاری بہن کی زندگی اور موت دونوں کو روحانی مٹھاس سے بھر دیا۔ اور یہ مٹھاس ایک صاحب دل شخص کے لئے اتنی غالب ہے کہ اس کے مقابل میں جدائی کی تلخی اپنی انتہائی شدت کے باوجود اپنی تلخی کو کھو دیتی ہے مگر ہمارے خدا نے اپنی ازلی حکمت کے ماتحت انسان کو صرف روح ہی نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ گوشت پوست کا ڈھانچہ بھی عطا کیا ہے۔ پس گو ہماری روح اس روحانی شیرینی کی طرف سرور میں آ آ کر لپکتی ہے۔ لیکن جسم کمزور ہے اور تلخی کے بوجھ کے نیچے ٹوٹا جا رہا ہے۔ مگر ہم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہتے کہ نرضٰی بما یرضٰی بہ اللّٰہ وانا بفراقك یا اختی لمحزونون وانا للّٰہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ کے لئے درمندانہ دعائیں

اب ایک آخری لفظ کہہ کر میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ ہر وفات پانے والے کے متعلق اس کا ہر عزیز کچھ نہ کچھ ذاتی جذبات رکھتا ہے اور میں اس فطری قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں اور اگر میں چاہوں تو ہمشیرہ مرحومہ کے متعلق جو ایک بہترین بہن تھیں اس باب میں بہت کچھ لکھ سکتا ہوں۔ مگر میں نے دانستہ اس رستہ پر پڑنے سے احتراز کیا ہے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ مرحومہ کے متعلق میرے جذبات لفظوں میں گم ہو کر ہوا میں اڑ جائیں۔ بلکہ میں انہیں [illegible] کی تحریک کے لئے اپنے سینہ میں محفوظ رکھتا ہوں۔ کیونکہ ایک مرنے والے کے لئے جس کے اپنے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اس کے پیچھے رہ جانے والوں کی دعائیں ہی بہترین خدمت ہیں۔ مگر دعاؤں کی توفیق بھی خدا کے فضل پر منحصر ہے۔ پس اے ہمارے آسمانی آقا جو زمین و آسمان کا واحد خدا ہے۔ جو اس دنیا کا بھی مالک ہے۔ اور اگلے جہان کا بھی۔ جس نے موت سے زندگی پیدا کی اور پھر اس زندگی کو موت میں گم کر دیا۔ اور اس موت سے پھر ایک آخری زندگی پیدا کرے گا۔ جس کے بعد کوئی موت نہیں۔ پس اے آخری اور دائمی زندگی کے مالک جس طرح تو نے ہماری رخصت ہونے والی بہن کو اس کی زندگی کے پہلے دور میں نوازا۔ اور اس کے دامن کو اپنے فضل و رحمت کے پھولوں سے بھر دیا۔ اور پھر جس طرح تو نے اس کی موت کو اپنی تقدیر خاص کے ماتحت برکت عطا کی اور اسے رحمت کے نشانوں سے زینت دی۔ اسی طرح اے ہمارے رحیم و ودود آقا تو اپنی اس کمزور بندی کو جو عین عالم شباب میں زندگی کے پہلے دور سے کٹ کر اور بے شمار عزیزوں کی رفاقت کو چھوڑ کر زندگی کے آخری دور میں تنہا قدم رکھ رہی ہے۔ اپنے فضل اور رحمت کے ہاتھوں سے قبول کر اور اس کی کمزوریوں کو جو اکثر انسانوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اپنی مغفرت کا پردہ ڈال کر اسے اس پاک گروہ میں داخل فرما۔ جو تیری ازلی تقدیر کے ماتحت بے حساب بخشش پانے والا ہے۔ خدایا تو ہماری اس بہن کو کہ جس کی پہلی زندگی تیرے ہی سایہ کے نیچے گزری اس کے قبر کے زمانہ کو آسان کر دے اور اس کی روح کے نئے مسکن کو جو اس نئے دور کے ماحول میں پیدا ہو سکتا ہے اپنی محبت کی نظر سے دور فرما اور اسے سکینت اور قرار عطا کر۔ وہ تیری رحمت کے سایہ میں سے نکلی ہے تیری ہی رحمت کے سایہ میں جگہ پائے اور تیرا برگزیدہ رسول جس کی وہ نواسی ہے اور تیرا پاک مسیح جس کی وہ بہو اور بیٹی ہے اسے اپنی محبت کی گود میں جگہ دیں۔ خدایا تیری جنت بہت وسیع ہے۔ اور تیرے فضل و کرم کی کوئی حد نہیں۔ تو اپنا کرم فرما کہ تیری یہ بندی جسے تو نے دنیا میں مرتبہ اور شرف عطا کیا۔ وہ آخرت میں بھی تیری رحمت کے ہاتھوں سے رتبہ اور شرف پائے اور تیرے برگزیدہ بندوں میں شمار ہو۔ خدایا تو اس کی ان تمام نیک مرادوں کو جو وہ دنیا میں رکھتی تھی اپنے فضل و رحم سے پورا کر اور اس کی اولاد کو جسے اس نے کم سنی کی عمر میں ہزاروں امنگوں کو اپنے سینہ میں لئے ہوئے تیرے ہاتھ میں چھوڑا ہے۔ حافظ و ناصر ہو۔ اٰمین یا ارحم الراحمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

خاکسار راقم آثم مرزا بشیر احمد قادیان ۲۵ مارچ ۱۹۴۴ء

۳۱ مارچ کو دعا کی فہرست پیش کر دی گئی

قادیان ۳۱ مارچ۔ سیدنا حضرت المصلح الموعود امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے حضور آج ۹½ بجے شام تحریک جدید کے ۲۲۷۲ ان مجاہدین کی فہرست دعا کے لئے پیش کر دی گئی جنہوں نے سال دہم کا چندہ منی آرڈر بیمہ۔ چیک۔ ڈرافٹ اور تاروں کے ذریعہ ارسال فرمایا۔ ان کارکنوں کے نام بھی پیش کئے گئے۔ جنہوں نے بحیثیت اپنی جماعت کے چندہ کی وصولی میں خاص جدوجہد کی چونکہ ۳۰ مارچ اور ۳۱ مارچ کو صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں تعطیل تھی۔ اس لئے یکم اپریل کو جو منی آرڈر ان تاریخوں کے وصول ہونگے۔ ان کی دوسری فہرست بھی پیش کی جائے گی۔ انشاء اللہ

خدا کے موعود خلیفہ کے حضور ان احباب کے لئے بھی دعا کی درخواست پیش کی گئی ہے جو باوجود شدید تڑپ و خواہش اور کوشش کے ۳۱ مارچ تک ادا نہیں کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق بخشے۔ کہ وہ ماہ اپریل میں ہی ادا کر دیں۔ جن اصحاب نے ۳۱ مارچ تک اپنا چندہ ادا کر کے السابقون الاولون کی صف اول میں آنے کی جدوجہد کی ہے۔ تحریک جدید تہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اور انہیں جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرہ کا ہدیہ پیش کرتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے امام کے ہر ارشاد پر صحیح اور حقیقی معنوں میں لبیک کہنے کی توفیق بخشے۔ فنانشل سیکرٹری تحریک جدید

پچیسواں یوم وقار عمل

۳۱ مارچ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر اہتمام پچیسواں یوم وقار عمل آج باب الانوار سے قادر آباد جانے والی سڑک پر منایا گیا۔ کام حسب اعلان ٹھیک ۶½ بجے شروع کیا گیا۔ اور ۲½ گھنٹے میں ۶۰۰ فٹ لمبی اور اوسطاً گیارہ فٹ چوڑی سڑک تیار کی گئی۔ جس پر ۳۵۵۰ مکعب فٹ مٹی ڈالی گئی۔ فرسٹ ایڈ اور پانی پلانے کا انتظام مہتمم صاحب خدمت خلق کی طرف سے اور پہرہ کا انتظام مہتمم صاحب صحت جسمانی کی طرف سے کیا گیا۔ طبی انتظام کے م م انچارج ڈاکٹر حافظ مسعود احمد صاحب تھے۔ اور سڑک کی تیاری کے کام کی نگرانی سید سردار حسین صاحب افسر تعمیر الہ صدر انجمن احمدیہ نے کی۔ خدام کے علاوہ اراکین مجلس انصار اللہ بھی حضرت مولوی شیر علی صاحب اور صاحب مولوی فرزند علی صاحب کی قیادت میں شریک ہوئے۔ کام کے اختتام پر چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر قائمقام صدر نے تمام دوستوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس کے بعد حضرت مولوی شیر علی صاحب نے دعا کرائی۔ خاکسار ظہور احمد مہتمم